تفسیر جلالین میں اسرائیلی روایات کا تجزیاتی مطالعہ

*اکرام اللہ
**پروفیسر ڈاکٹر عبد العلی اچکزئی

Abstract

Holy Quran is the most sacred scripture bestowed by Allah Almighty upon his bellowed prophet Muhammad (PBUH). Unlike other scriptures, Allah Almighty himself took the responsibility of safety and safe custody of the Holy Quran. That is why, despite passage of more than 1400 years, the Holy Quran remained intact, wordwise as well as meaningwise and will remain intact till the end of the world.Such a unique status of the Holy Quran could not be tolerated by the enemies of Islam and Prophet of Islam. Therefore, they decided to present Holy Quran as a defective document before its readers. For this purpose, they chose to highlight and exploit the short and abbreviated incidents, described by the Holy Quran, under the term of "Muthashalihat", by adding and narrating false, nonsense and most astonishing stories, just to divert attention of the readers from the basic learning of Holy Quran, towards un-realistic and bogus stories. Accordingly majority of the readers have shown great interest in these stories, which fall under the title of Israiliat Unfortunately, the said stories are included in dozens of Translations Tafaseer of the Holy Quran.In order to acquaint readers of the actual status of Israiliat, the undersigned has started working on the subject. Since Tafseer-e-Jalalain is included in the Syllabus of Maddaris and being taught for the last many years, therefore, I have chosen the same in the first instance, and pray Allah Almighty to help me out in completing my assignment.

تعارف

قرآن کریم انسانیت کیلئے دستور حیات، منشور حیات، ضابطہ حیات، بلکہ پوری انسانیت کیلئے آب حیات ہے۔ یہ انسانیت کو ہدایت دینے والی کتاب بھٹکے ہوؤں کو سیدھے راستے پر لانے والی کتاب، قعر مذلت میں پڑے ہوؤں کو اوج ثریا پر پہنچانے والی کتاب اور شیطان کی پیروی کرنے والوں کو رحمن کی بندگی سکھانے والی کتاب ہے۔ اور یہ اسلئے کہ یہ رب کائنات کا وہ کلام ہے جسے دوسرے کلاموں پر وہی فضیلت حاصل ہے، جو رب کائنات کو اپنی مخلوق پر ہے۔ کتب سماویہ میں یہی وہ یکتا کتاب ہے جسکی حفاظت کی ذمہ داری رب ذوالجلال نے خود اپنے ذمہ لی ہے۔ قرآن کریم کے جس طرح الفاظ محفوظ ہیں

---

*ایم فل سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ
**پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ

اس طرح اسکے معانی اور مضامین بھی محفوظ ہیں، یہی وجہ ہے کہ علوم اسلامیہ میں علم التفسیر "جس میں الفاظ اور معانی قرآن سے بحث ہوتی ہے" کو سب سے اعلیٰ اور برتر مقام حاصل ہوا ہے۔ مگر یاد رہے کہ تفسیر کی "باعتبار ماخذ کے" کئی صورتیں ہیں، بعض صورتیں معتبر اور دیگر بعض صورتیں غیر معتبر ہیں۔ ذیل میں ان تمام صورتوں کے حوالے سے مختصراً گفتگو کی جائے گی۔

تفسیر کی بنیادی طور پر دو ہی مآخذ ہیں: معتبر مآخذ تفسیر اور غیر معتبر مآخذ تفسیر۔ معتبر مآخذ تفسیر چھ ہیں: قرآن کریم، احادیث نبویہ، اقوال تابعین، لغت عرب اور عقل سلیم۔ جبکہ غیر معتبر مآخذ تفسیر تین ہیں: تفسیر صوفیاء، تفسیر بالرائے اور اسرائیلیات۔ زیر نظر مضمون اس آخری قسم "یعنی اسرائیلیات" سے متعلق ہے۔

اسرائیلیات کی حقیقت پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا محمد نظام الدین اسیر ادروی نے لکھا ہے کہ دراصل اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی دشمنی میں یہود سب سے آگے تھے، انہوں نے چاہا کہ کسی طرح قرآن کریم کی بے لوث صداقت کو داغدار بنا دیا جائے، لیکن ان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ قرآن کریم میں تحریف و ترمیم کی جسارت کر سکیں، البتہ انہوں نے اس کیلئے ایک زبردست سازش یہ کی کہ قرآن میں جن واقعات کو مختصر طور پر بیان کیا گیا ہے، ان کی تفصیلات میں جھوٹے قصے، مہمل باتیں، گندے اور ناپاک واقعات، خلاف عقل و مشاہدہ اور محیر العقول کہانیاں گھڑ کر مسلمانوں میں پھیلا دیں اس طرح قرآن کی بے داغ صداقت بڑی آسانی سے داغدار ہو سکتی ہے[1]۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ قرآن دشمنی کی اس زبردست سازش کو ناکام بنانا اگر ہمارا فرض اور ہماری مسؤلیت ہے اور وہ ہمارے لئے ممکن بھی ہے، تو اس کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ قرآن کریم اور اس کی تفاسیر میں موجود اسرائیلیات اور ان کے مقامات کی نشاندہی کے بعد ہر روایت کی حقیقت مسلمانوں کے سامنے لایا جائے۔ چنانچہ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے جب ہم نے تفاسیر قرآن کا بغور مطالعہ شروع کیا تو ہمیں اسرائیلی روایات کا محل وقوع بیشتر قصص و واقعات نظر آیا ہے۔

قرآن کریم میں یہ واقعات اور قصے اگرچہ بڑے حکیمانہ پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں اور دہرائے گئے ہیں مگر اسرائیلیات نے ان واقعات اور قصص میں داخل ہو کر ان کو کافی داغدار بنادیا ہے۔ ذیل میں انہی واقعات کے حوالے سے کچھ تفصیلی کلام پیش خدمت ہے۔

قصص قرآن میں اسرائیلیات اور تفسیر جلالین

قران کریم میں متعدد انبیاء کرام اقوام شخصیات اور اسی طرح دیگر کچھ اشیاء کے کچھ خاص اور اہم واقعات اجمالی طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ ان سچے اور حقیقی واقعات کو سامنے رکھ کر اس شمع صداقت کو موضوع اور اسرائیلی روایتوں کے افسانوی فانوس سے کچھ اس طرح ڈھانک دیا گیا ہے کہ شمع صداقت کی لو اپنے اصلی رنگ میں نظر نہ آئے، اگر اس کی کوئی جھلک نظر آئے بھی تو اس مصنوعی فانوس کے رنگ میں ڈھل کر مصنوعی نظر آئے اور اس کی صداقت مشکوک ہو جائے۔ اس لئے ہم نے تفسیر جلالین "جلد اول" میں مذکور اسرائیلی روایات کے حوالے سے ایک مضمون لکھنے کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ان چند سطور کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمادے۔ سو اس حوالے سے جب ہم نے تفسیر جلالین کا بغور مطالعہ کیا تو ہمیں درج ذیل نو قصص قرآنیہ میں چند اسرائیلی روایات موجود نظر آئے:

قصہ ہاروت وماروت میں اسرائیلیات

قصہ ہاروت وماروت میں علامہ سیوطیؒ نے متعدد من گھڑت اور فرضی کہانیوں پر مشتمل روایات میں سے ایک قابل گرفت روایت تفسیر جلالین میں ذکر کی ہے، جس میں علامہ سیوطیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت سے یہ ثابت کیا ہے کہ ہاروت وماروت فرشتے نہیں بلکہ بابل شہر کے دو جادوگر تھے جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہے کہ:

قال ابن عباس، هما ساحران كانا يعلمان السحر [2]

نیز تفسیر جلالین کے مشہور محشی "علامہ صاویؒ" نے اس موقع پر وہی کہانی دہرائی ہے جسے علامہ سیوطیؒ نے الدرالمنثور میں، ابن جریر طبریؒ نے جامع البیان میں اور علامہ نسفیؒ نے مدارک میں نقل کی ہے، جس میں ہے کہ زہرہ کی کافرانہ چال نے ان دو فرشتوں کو مبتلائے عذاب کیا۔ ذیل میں علامہ سیوطیؒ اور علامہ صاویؒ کے ذکر کردہ عبارات اور روایات کا تحقیقی جائزہ "نقلاً وعقلاً" پیش کر دیا جاتا ہے۔

علامہ سیوطیؒ اور علامہ صاویؒ کی آراء کا نقلی جائزہ

قاضی بیضاویؒ کی طرف سے تردید:

قاضی بیضاوی نے علامہ سیوطی اور علامہ صاوی کی آراء کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے:

هماملكان انزلا لتعليم السحر ابتلاء من الله للناس وتمييزا بينه وبين المعجزة، وماروى انهما مثلا بشرين وركب فيهما الشهوة فتعرضا الامراة يقال لها زهرة فحملتهما على المعاصى والشرك ثم صعدت السمآء بما تعلمت منهما فمحكى عن اليهود[3]۔

علامہ شہاب الدین عراقی کی طرف سے تردید:

علامہ شہاب الدین عراقی نے کہا ہے کہ جو یہ اعتقاد رکھے کہ ہاروت وماروت کچھ ایسے فرشتے تھے جن کو ان کی گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا گیا وہ قطعاً کافر ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: "نص الشهاب العراقى على ان من اعتقد فى هاروت وماروت انهما ملكان يعذبان على خطيئتهما مع الزهرة فهو كافر بالله تعالى"[4]۔

حافظ ابن کثیر کی تردید:

حافظ ابن کثیر نے بھی یہی لکھا ہے کہ یہ یہودیوں کی گھڑی ہوئی کہانی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"وقد روى فى قصة هاروت و ماروت عن جماعة من التابعين............وحاصلها راجع فى تفصيلها الى اخبار بنى اسرائيل،اذ ليس فيها حديث مرفوع صحيح متصل الاسنادالى الصادق المصدوق المعصوم الذى لا ينطق عن الهوى............الخ[5]

علامہ آلوسیؒ کی طرف سے تردید:

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ:

من قال بصحة هذه القصة فى نفس الامر وحملها على ظاهرها فقد ركب شططا وقال غلطا وفتح بابا من السحر يضحك الموت ويبكى الاحياء وينكس رأية الاسلام ويرفع رؤس الكفرة الطغام كمالا يخفى ذلك على المنصفين من العلماء المحققين-[6]

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی رائے:

حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ ایک زمانے میں بابل میں جادو کا بہت چرچا تھا جس کی وجہ سے جادو کی حقیقت اور انبیائے کرام کے معجزات کی حقیقت میں اختلاط واشتباہ ہونے لگا اور لوگ جادوگری کو مقدس اور قابل اتباع سمجھنے لگے اور کچھ لوگ جادو کو نیک کام سمجھ کر اس کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے

لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اشتباہ اور غلط فہمی کو دفع کرنے کے لئے بابل میں دو فرشتے ہاروت وماروت کو بھیجا تاکہ لوگوں کو سحر کی حقیقت اور اس کے شعبے سے مطلع کر دے اور اشتباہ جاتا رہے اور جادو پر عمل کرنے اور جادوگروں کی اتباع کرنے سے اجتناب کریں۔[7]

مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ کی رائے:

مولانا نے لکھا ہے کہ بعض اہل تفسیر نے یہودیوں کا بیان کیا ہوا ملک عراق کی ایک رقاصہ زہرہ کا ایک قصہ نقل کیا ہے۔ لیکن اول تو اس آیت کی تفسیر اس قصے پر موقوف کسی درجے میں بھی نہیں، دوسرے خود محدثین اور محققین تفسیر نے اس کی صحت سے بالکل انکار کر دیا ہے اور صاف لکھ دیا ہے کہ یہ قصہ بالکل گھڑا ہوا ہے لغو اور مردود ہے، اس گروہ میں قاضی عیاض، امام رازی اور شہاب الدین عراقی وغیرہ مشہور ہیں.[8]

علامہ سیوطیؒ اور علامہ صاویؒ کی آراء کا عقلی جائزہ

عقلی اعتبار سے بھی یہ واقعہ ناقابل تسلیم ہے کیونکہ اس مسئلے پر اجماع امت ہے کہ فرشتے معصوم ہیں ان سے گناہوں کا صدور نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان کر دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کی نافرمانی نہیں کرتے، ان کو جو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں۔

اس واقعے کے سلسلے میں اب تک جتنی بھی روایتیں ذکر کی گئی ہیں ان سب سے اللہ تعالیٰ کے کلام کی تردید ہوتی ہے۔ نیز بعض روایتوں کا یہ انداز بیان کہ "جب اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں سے کہا کہ تم بھی جب دنیا میں جاؤ گے تو میری نافرمانی کرنے لگو گے تو فرشتوں نے اللہ کے کلام کو رد کر دیا کہ ہم ایسا نہیں کریں گے "۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کا رد کرنا خود کفر ہے، کوئی بھی شخص "جسے ذرہ بھی اللہ اور اس کی صفتوں کا علم ہے" اسے تسلیم نہیں کر سکتا، فرشتے تو اس سے بھی بہت ہی بلند وبالا ہیں۔ مزید بر آں! کتنی حیرت اور جسارت کی بات کہی گئی ہے کہ ایک زانیہ اور بدکار عورت اڑ کر آسمان کی طرف چلی گئی اور اس کو ایک روشن ستارہ بنا کر ہمیشہ کے لئے ایک اعزاز وافتخار دے دیا گیا۔ علامہ آلوسیؒ نے بھی عقلی طور پر اس قصے کی خوب تردید کی ہے کہ "زہرہ ستارہ کا وجود تو اسی دن سے جس دن سے یہ آسمان اور زمین پیدا کئے گئے ہیں"۔ اور یہ واقعہ جیسا بیان کیا جاتا ہے کہ گویا اس واقعے سے پہلے اس ستارے کا وجود ہی نہیں تھا حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔

قصہ "الذین خرجوا من دیارھم..." میں اسرائیلیات

قرآن کریم کے دیگر واقعات کی طرح اس سبق آموز سچے اور حقیقی واقعہ کی شمع صداقت کو بھی اسلام دشمنوں نے اسرائیلی روایتوں کے افسانوی فانوس سے ڈھانک دینے کی ناپاک کوشش کی ہے، اور اتفاق سے ہمارے حضرات مفسرین نے بھی یہ تمام بے سروپا من گھڑت اسرائیلی روایات اپنی تفاسیر میں نقل کی ہیں۔ اب یہاں ہم نے یہ جائزہ لینا ہے کہ تفسیر جلالین میں تو اس قسم کی کوئی روایت موجود نہیں؟سو اس حوالے سے یہ سمجھ لیں کہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں نکلنے والوں کی تعداد، عرصہ وفات، عرصہ حیاۃ ثانیہ اور اس دوسری مرتبہ کی زندگی کے عجیب وغریب حالات بیان کرتے ہوئے تفسیر جلالین میں علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ:

الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف "اربعۃ اوثمانیۃ او عشرۃ او ثلاثون او اربعون او سبعون الفا" حذر الموت "......وھم قوم من بنی اسرائیل وقع الطاعون ببلادھم ففروا" فقال لھم اللہ موتوا "فماتوا" ثم احیاھم "بعد ثمانیۃ ایام او اکثر بدعاء نبیھم حزقیل.... فعاشوا دھرا علیھم اثر الموت لا یلبسون ثوبا الا عاد کالکفن واستمرت فی اسباطھم"۔[۹]

تفسیر جلالین کی اس روایت پر تنقید وتبصرہ

آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ اس آیت مبارکہ میں پچھلی امتوں میں سے کسی ایک امت کا حوالہ دے کر بس صرف اور صرف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود دشمن کے مقابلہ یا کسی بیماری کے خوف سے گھروں سے بھاگ نکلے تھے مگر پھر بھی وہ لوگ اس سے نہ بچ سکے، اللہ تعالیٰ نے ان کو موت کی سزا سنا دی اور سزا بھگتنے کے بعد دوبارہ ان کو زندہ کر دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس واقعہ کے سلسلے میں "تفسیر جلالین میں مذکور تفصیلات" کیسے اور کہاں سے نمودار ہوئے ہیں؟ سو اس حوالے سے حضرات علماء حق کی آراء پیش کر دیا جاتا ہے تاکہ صحیح اور معتمد بات واضح ہو کر سامنے آجائے۔

آیت مبارکہ کی تفسیر میں علماء کی آراء

حضرت مولانا مفتی محمد مختارالدین شاہ صاحب کی رائے:

حضرت مفتی صاحب اس سلسلہ میں ایک جامع تبصرہ کرتے ہوئے اپنی تفسیر "البرھان فی توضیح آیات الرحمٰن" میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں پچھلی امتوں میں سے کسی امت کے ایک واقعہ کا حوالہ دے کر بتایاہے کہ وہ بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود دشمن کے مقابلے یا کسی بیماری کے خوف سے گھروں سے بھاگ نکلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو موت کی سزادی اور پھر دوبارہ زندہ کیا۔ یہ واقعہ کس قوم کو پیش آیا؟ اور یہ لوگ کون تھے؟ کہاں کے رہنے والے تھے؟ اور کس دور میں گزرے ہیں؟ اور ان کو موت کا خطرہ کیسے لاحق ہو گیا؟ دشمن یا کسی خطرناک بیماری سے؟ اس کے بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں اور بہت سے مفسرین نے اس واقعہ کی کچھ تفصیلات بھی بیان کی ہیں لیکن اس واقعہ کی تفصیل میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ تقریباً تمام تر اسرائیلیات "یعنی بنی اسرائیل کی کتابوں اور تاریخ" سے لیا گیا ہے جن میں حق و باطل اور سچ و جھوٹ باہم ملا ہوا ہے۔[10]

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی رائے:

قرآن کریم نے "وهم الوف" میں ہزاروں کا حوالہ دے کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ یہ لوگ اس قدر بزدل اور بے ہمت تھے کہ ہزاروں کی تعداد میں ہونے کے باوجود دشمن کے مقابلہ سے ڈر کر بھاگ نکلے تھے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہلوگ کتنے ہزار تھے؟ اور ان کی صحیح تعداد کیا تھی؟ اس حوالے سے قرآن کریم بالکل خاموش ہے، اور اسی میں قرآن کا جمال اور خوبصورتی بھی ہے۔ لیکن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے یہاں اس جگہ لکھا ہے کہ قرآن کریم نے لفظ "الوف" لا کر ان کی تعداد کی طرف ایک لطیف اشارہ یہ کیا ہے کہ عربی زبان کے قاعدہ سے یہ لفظ جمع کثرت ہے جس کا اطلاق دس سے کم پر نہیں ہوتا اس لئے اس سے یہ معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی تعداد دس ہزار سے کم نہ تھی۔[11]

قصہ تابوت سکینہ میں اسرائیلیات

تابوت سکینہ کے حوالے سے صاحب تفسیر جلالین اور اس کے محشیؒ نے درج ذیل دو باتیں ایسی تحریر کی ہیں جو بلاشبہ بنی اسرائیل کے جھوٹ اور افسانوں پر مشتمل ہیں:

پہلی بات: تابوت میں کیا چیز تھی؟ علامہ سیوطیؒ نے اس حوالے سے لکھا ہے کہ تابوت اس صندوق کا نام ہے جو حضرت آدم پر اترا تھا اور اس میں تمام انبیاء کی تصویریں تھیں۔ علامہؒ کے الفاظ یہ

ہیں:"التابوت الصندوق كان فيه صورالانبياء، انزل الله تعالىٰ علی آدم واستمراليهم فغلبتهم العمالقه عليه واخذوه وكانوا ليستفتحون به علی عدوهم"[12]

دوسری بات: سکینہ کی حقیقت اور صفت کے بارے میں کہ سکینہ کیا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ تفسیر جلالین کے محشی نے اس حوالے سے لکھا ہے کہ:"صورة كانت فيه من زبرجد او ياقوت، لها رأس وذنب كرأس الهرة وذنبها،وجناحان ويسير التابوت بسرعة نحوالعدو ويتبعونه،فاذااستقر ثبتوا وسكنوا ونزل النصر"[13]

اقوال علماء کی روشنی میں دونوں قولوں کا تحقیقی جائزہ

قاضی بیضاویؒ کا نقد و تبصرہ:

قاضی بیضاویؒ کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں زبرجد یایاقوت کی ایک مورتی تھی جس کا سر اور دم بلی کی طرح تھا اس کے دو بازو تھے وہ پھڑ پھڑانے لگتی تھی تو تابوت دوڑنے لگتا تھا بنی اسرائیل اس کے پیچھے پیچھے دوڑتے تھے جب وہ ٹھہر جاتا تو وہ جم کر لڑتے تھے اوراللہ کی مدد آجاتی تھی۔ نیز بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ آدمؑ سے لیکر حضور ﷺ تک تمام پیغمبروں کی اس میں تصویریں تھیں[14]

ان دونوں قولوں کو قاضی بیضاویؒ نے قیل کے لفظ سے ذکر کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ شروع سے جو بات تابوت کی تشریح میں انہوں نے کہی ہے وہ صحیح ہے اور وہی راجح قول ہے۔

علامہ آلوسیؒ کا نقد و تبصرہ:

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں بہت سی روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ تابوت حضرت آدمؑ پر اترا تھا اور اس میں تمام پیغمبروں کی تصویریں تھیں ....اس روایت کے علاوہ اور روایتیں اور خبریں بھی ہیں مگر ان میں سب سے زیادہ قرین قیاس و عقل جو قول ہے وہ یہی ہے کہ وہ تورات کے رکھنے کا صندوق تھا جس پر عمالقہ نے قبضہ کر لیا تھا پھر اللہ نے اس تابوت کو بنی اسرائیل میں لوٹا دیا تھا۔

میں نے تابوت کے بارے میں کوئی ایسی صحیح مرفوع حدیث نہیں پائی جس پر اعتماد اور بھروسہ کیا جاسکے اور اس کی کنجی سے اس صندوق کو کھولا جاسکے اور نہ عقل و فکر کے پاس اس کی حقیقت وواقفیت معلوم کرنے کی کوئی تدبیر ہے۔[15]

علامہ نسفیؒ کا نقد و تبصرہ:

علامہ نسفیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ وہ تبرکات کا ایک صندوق تھا جس میں توریت اور حضرت موسیٰؑ کے متروکات تھے۔[16]

شیخ الہند، حضرت تھانوی اور مفتی شفیع کا نقد و تبصرہ:

شیخ الہندؒ نے اپنے ترجمہ کلام پاک کے فوائد میں تحریر فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک صندوق چلا آرہا تھا، حضرت موسیٰؑ اور دوسرے انبیاء بنی اسرائیل کے اس میں تبرکات تھے، بنی اسرائیل اس تابوت کو جنگ میں آگے رکھتے تھے اور اس کی برکت سے اللہ ان کو فتح دیتا تھا، جب ان پر جالوت غالب آیا تو وہ یہ صندوق بھی لے گیا، جب اللہ کو صندوق واپس کرنا منظور ہوا تو یہ کیا کہ وہ کافر اس صندوق کو جہاں رکھتے وہاں وبا اور بلا آجاتی تھی اور پانچ شہر ویران ہوگئے، ناچار ہو کر دو بیلوں پر اس کو لاد کر ہانک دیا، فرشتے بیلوں کو ہانک کر طالوت کے دروازے پر پہنچا گئے، بنی اسرائیل اس نشانی کو دیکھ کر طالوت کی بادشاہت پر یقین کرنے لگے اور طالوت نے جالوت پر فوج کشی کی۔[17] "یہی رائے مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا تھانویؒ کی بھی ہے، جیسا کہ انہوں نے اپنی اپنی تفسیروں میں لکھا ہے"۔

مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ کا نقد و تبصرہ:

مولانا اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس خاص صندوق کا اصطلاحی نام تابوت سکینہ ہے، یہ بنی اسرائیل کا اہم ترین قومی و ملی سرمایہ تھا اور ان کا ورثہ تھا، اس کے اندر اصلی نسخہ توریت مع تبرکاتِ انبیاء محفوظ تھا۔ اسرائیل اس کو انتہائی برکت و تقدیس کی چیز سمجھتے تھے اور اس کے ساتھ برتاؤ انتہائی احترام کا رکھتے تھے۔[18]

قصہ میدان تیہ میں اسرائیلیات

میدان تیہ کے سلسلہ میں ویسے تو دسیوں، بیسیوں مقامات پر متعدد اسرائیلی روایات پائے

جاتے ہیں لیکن علامہ سیوطیؒ نے تفسیر جلالین میں سوائے ایک روایت کے اور کوئی اسرائیلی روایت ذکر نہیں کی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ میدان تیہ میں بنی اسرائیل کی تعداد کیا تھی؟ سو اس حوالے سے علامہ سیوطیؒ نے ان کی تعداد چھ لاکھ بتائی ہے۔

تفسیر جلالین کے اس قول پر تنقید و تبصرہ

اب سوال یہ ہے کہ علامہ سیوطی کی بتائی ہوئی یہ تعداد صحیح بھی ہے کہ نہیں؟ سو اس حوالے سے بس اتنا سمجھ لیں کہ قرآن کریم پر نظر کرنے والے جانتے ہیں کہ قرآن کریم کوئی قصہ کہانی یا تاریخ کی کتاب نہیں "جس کا مقصد کسی واقعہ کو اول تا آخر بیان کرنا ہو" بلکہ قرآن کا اسلوب ہر جگہ یہ ہے کہ موقع بہ موقع کوئی واقعہ بیان کرتا ہے اور اکثر پورا واقعہ بھی ایک جگہ بیان نہیں کرتا بلکہ اس کے جتنے حصہ سے اس جگہ کوئی مقصد متعلق ہوتا ہے اس کا وہی ٹکڑا یہاں بیان کر دیا جاتا ہے۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ وہ واقعات جن کو قرآن کریم نے مجمل چھوڑا ہے یا ان میں جزوی تفصیلات کے بیان کرنے کو غیر ضروری سمجھا ہے اور احادیث صحیحہ میں بھی اس کی کوئی صراحت نہیں ملتی تو پھر ان مجمل واقعات کی تشریح، غیر مستند اور من گھڑت واقعات سے کرنے کی ضرورت کیا پڑی ہے جبکہ آیت کی تفسیر ان کی محتاج بھی نہیں ہے؟ ایک سچے اور حقیقی واقعہ کی صداقت کو مشکوک بنانے والی ان غیر مستند روایتوں سے کیا احتیاط ہی زیادہ بہتر نہیں ہے؟ میدان تیہ میں بنی اسرائیل کی تعداد وغیرہ دسیوں باتوں کا اضافہ کر کے واقعہ کو دلچسپ اور عبرتناک بنانے کا آخر فائدہ کیا ہے؟ غرض یہ کہ جن باتوں کا قرآن کریم میں کوئی ذکر نہیں اور نہ ہی اس سلسلہ میں کوئی صحیح حدیث موجود ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ سب سلسلہ اسرائیلیات کی کڑی ہے اور اہل کتاب کی حاشیہ آرائی ہے۔ ذیل میں اپنے اسلاف اور اکابرین کی آراء قلمبند کر دیا جاتا ہے تاکہ ان کا نقطہ نگاہ معلوم ہونے کے ساتھ ساتھ حق بات بھی واضح ہو کر سامنے آجائے "**وبالله التوفيق**"۔

مولانا محمد نظام الدین اسیر ادروی کی رائے:

مولانا لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی اگر چھ لاکھ فوج تسلیم کی جائے تو یہ حقائق سے روگردانی ہوگی، نہ تو اتنی بڑی تعداد کے لئے ان کی حکومت میں طاقت تھی اور نہ ہی اس کی گنجائش تھی، بنو اسرائیل

اور حضرت موسیٰ کے درمیان صرف چار پشتوں کا فرق ہے کیونکہ حضرت موسیٰ کا سلسلہ نسب "موسی بن عمران بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب" ہے، اور یہی حضرت یعقوبؑ اسرائیل کہلائے جاتے ہیں جن کی اولاد کو قرآن میں بنو اسرائیل کہا گیا ہے، حضرت یعقوبؑ کے صاحبزادے حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں جب مصر آئے تو ان کے ساتھ ان کے لڑکے پوتے اور نواسے تھے "جن کی کل تعداد 70 تھی" ان لوگوں نے مصر میں اقامت کی اور یہیں رہے، یہی لوگ موسیٰؑ کے زمانہ میں فرعون کے ظلم و ستم سے تنگ آکر مصر سے نکلے تھے اور فرعون غرق دریا ہوا تھا اور موسیٰ کے ساتھ یہی نکلنے والے میدان تیہ میں تھے۔ لہٰذا یہ کسی طرح قابل قبول اور عقل میں آنے والی بات نہیں کہ صرف چار پشتوں میں ستر نفر سے چھ لاکھ کی تعداد ہو جائے اور وہ بھی صرف فوجی اور دوسرے عام لوگ ان کے علاوہ ہوں۔[19]

علامہ ابن خلدونؒ کی رائے:

علامہ ابن خلدونؒ نے اپنے مشہور مقدمہ تاریخ میں ایک نفیس اور مدلل بحث کر کے روایت کی مبالغہ آرائی کا قلعہ قمع کر دیا ہے اور بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مفسرینؒ نے بنی اسرائیل کی چھ لاکھ جو تعداد بتائی ہے حقائق و واقعات اس کی تردید کرتے ہیں، مصر و شام کی آبادی اور ان کی حکومتوں کی فوجی طاقت کے پیش نظر چھ لاکھ فوجیوں کا ہونا قطعاً ناممکن ہے، تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مصر و شام سے کہیں بڑی فارس کی حکومت تھی اور مصر و شام پر حاوی بھی تھی اور اس زمانہ میں بیت المقدس کی تباہی و بربادی میں بھی اس کا ہاتھ تھا، اس کی حکومت کی حدود عراق، خراسان اور ماوراء النہر تک تھیں اور بنو اسرائیل سے کہیں زیادہ وسیع ملک ان کے زیر حکومت تھا، ان تمام وسعت و عظمت اور حکومت کے باوجود فارس والوں کے پاس کبھی اتنی بڑی فوج نہیں رہی، ان کی سب سے بڑی فوج جو قادسیہ میں مقابلہ پر آئی وہ دو لاکھ بیس ہزار تھی، حضرت سعدؓ سے جب رستم کا مقابلہ ہوا تو ان کی کل تعداد ساٹھ ہزار فوجیوں کی تھی۔ نیز بحث کے آخر میں روایت کرنے والوں کے سلسلہ میں علامہؒ نے لکھا ہے:

"لم نجد معشار ما یعدونه، وما ذلك الا لِوُلُوع النفس بالغرائب وسهولة التجاوز على اللسان والغفلة على المتعقب والمنتقد، حتى لا يحاسب نفسه على خطاء ولا عمد، ولا يطالبه الى الخبر بتوسط ولا عدالة، ولا يراجعها الى بحث وتفتيش، فيرسل عنانه ويسيم في مراتع الكذب لسانه، ويتخذ آيات الله هزوا ويشتري لهو الحديث ليضل

عن سبیل اللہ"۔[20]

قصہ نزول مائدہ میں اسرائیلیات

قصہ نزول مائدہ کے سلسلے میں علامہ سیوطیؒ نے تفسیر جلالین میں درج ذیل دو قابل گرفت باتیں کی ہیں:[21]

پہلی بات: مائدہ کی حقیت کے بارے میں ہے کہ اس میں کیا تھا؟علامہ سیوطیؒ نے حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:**فنزلت الملائکة بها من السمآء سبعة ارغفة وسبعة احوات،فاكلوا منها حتىٰ شبعوا۔**

دوسری بات: مائدہ نازل ہونے کے بعد کیا ہوا؟کیاان کی صورتیں مسخ ہوگئی تھی؟مسخ ہوکر کیا بنے تھے؟اس حوالے سے علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ:وفی حدیث: **انزلت المائدة من السمآء خبزا ولحما،فامروا ان لا یخونوا ولا یدخروا لغد،فخانوا وادخروا،فرفعت،فمسخوا قردة وخنازیر۔**

تفسیر جلالین کی ان دونوں روایتوں کا تحقیقی جائزہ

تفسیر جلالین کا پہلا قول اور اس پر تنقید وتبصرہ:

مائدہ کی حقیقت کے بارے میں کہ اس میں کیا تھا؟سو اس حوالے سے حضرت ابن عباسؓ، کعب احبارؒ اور وھب ابن منبہؒ سے متعدد سندوں کے ساتھ مختلف روایات منقول ہیں جن میں سے ایک روایت ابھی اوپر بحوالہ تفسیر جلالین "حضرت ابن عباس سے منسوب" نقل کی گئی ہے مگر ان ساری روایتوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان روایتوں کا تعلق اس صادق ومصدوق کی ذات گرامی سے نہیں ہے جو صرف ایک حقیقت بیان کرنے پر اکتفاء کرے۔ نیز حضرت ابن عباسؓ کی متعدد روایتیں خود ایک دوسرے سے متصادم ہیں اور اسی طرح ابن منبہ وغیرہ کی ہر روایت ایک دوسرے کی تردید کرتی ہے، اس لئے کوئی بھی روایت قابل اعتماد نہیں ہے۔ مشہور مفسر محمد ابن احمد القرطبیؒ نے ان روایتوں کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ"**لا یصح من قبل اسناده**"اور اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ نے بھی ان روایتوں کو ذکر کرکے اپنی یہ رائے لکھی ہے کہ یہ سب روایتیں عجیب وغریب ہیں۔

تفسیر جلالین کا دوسرا قول اور اس پر تنقید و تبصرہ:

مائدہ نازل ہونے کے بعد کیا ہوا؟ کیا ان کی صورتیں مسخ ہوگئی تھی؟ مسخ ہو کر کیا بن گئے تھے؟اس حوالے سے بھی متعدد بے بنیاد روایتوں کا سہارالیا جاتا ہے، جیسا کہ ابھی اوپر بحوالہ تفسیر جلالین ایک روایت نقل کی گئی ہے مگر اس روایت کے حوالے سے کچھ قابل غور امور ہیں جن کو ترتیب وار درج کر دیا جائے گا۔

(۱) قرآن کریم کے اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص مائدہ نازل ہونے کے بعد کفر کرے گا تو اس کو اس طرح کا عذاب دیا جائے گا جو اس پورے عالم میں کسی کو نہیں دیا جائے گا، لیکن سابقہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر کرنے کا جو عذاب دیا گیا تو وہ یہ تھا کہ ان کی شکلیں مسخ ہو کر خنزیر اور بندر بن گئے۔ اب قابل غور بات یہ ہے کہ اس روایت میں عذاب کی جو نوعیت بتائی جارہی ہے یہ کوئی ایسا عذاب نہیں جو اس عالم میں کسی اور کو نہ دیا گیا ہو۔ چنانچہ قرآن کریم میں اصحاب سبت یعنی یہودیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار نہ کریں، مگر ہفتہ کے روز مچھلیاں پانی سے سر نکال کر ظاہر ہوتی تھیں اور عام دنوں میں دور کہیں چلی جاتی تھیں تو ان میں سے بعض نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی تب اللہ نے ان کو سخت عذاب میں پکڑ لیا اور ان کو حکم دیا کہ ذلیل بندر بن جاؤ۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کا عذاب یہودیوں کو پہلے بھی دیا گیا تھا۔

(۲) ایک قابل غور بات یہ بھی ہے کہ اس رایت میں ہے کہ مسخ ہونے کے بعد یہ لوگ بندر اور خنزیر بن گئے تھے حالانکہ تفسیر الدر المنثور میں علامہ سیوطیؒ نے "مسخ شدہ اقوام کے بارے میں" ایک طویل روایت نقل کی ہے جس میں آتا ہے کہ:[22]

سور خنزیر اصل میں وہ نصاری تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ سے کہا تھا کہ اپنے رب سے مائدہ طلب کیجئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مائدہ اتارا، مگر اس کے بعد بھی ان لوگوں نے کفر کیا جس کی وجہ سے ان لوگوں کو خنزیر بنادیا گیا۔ اور بندر ان لوگوں کی نسل میں سے ہے جن کو سنیچر کے دن شکار کھیلنے سے منع کیا گیا تھا مگر ممانعت کے باوجود وہ باز نہیں آئے۔ اس لئے انہیں بندر بنادیا گیا، بندر انہی کی نسل سے ہیں۔

اور یہی بات علامہ سیوطیؒ نے بھی "تفسیر جلالین میں ایک اور مقام پر" کہی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

لعن الذين كفروا من بني اسرائيل على لسان داؤد "بأن دعا عليهم فمسخوا قردة.

وهم اصحاب ایلة" وعیسی ابن مریم "بأن دعا علیهم فمسخوا خنازیر، وهم اصحاب المائدہ" ذلك بما عصوا و كانوا یعتدون۔[23]

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اصحاب مائدہ خنزیر تو بن گئے تھے مگر بندر نہیں، بندر کچھ اور نافرمان لوگ "جو اصحاب السبت کے نام سے مشہور ہیں" بنے تھے۔

(۳)ایک قابل غور بات یہ بھی ہے کہ تفسیر جلالین کی مذکور روایت میں سبب مسخ یہ بتایا گیا ہے کہ: ان کو حکم ہوا تھا کہ اب مائدہ نازل ہونے کے بعد تم خیانت نہ کرنا اور آئندہ کے لئے ذخیرہ اندوزی بھی نہیں کرنا مگر انہوں نے حکم نہیں مانا اور نافرمانی کی، جس کی وجہ سے وہ لوگ بندر اور خنزیر بن گئے تھے۔ مگر تفسیر جلالین کے مشہور محشی "علامہ صاویؒ" نے ایک روایت ذکر کی ہے جس میں سبب مسخ کچھ اور بتایا گیا ہے، اور وہ روایت یہ ہے:

وفی روایة: ان سبب مسخهم انه بعد تمام اربعینیوما من نزولها اوحی الله الی عیسی ان اجعل مائدتی هذه للفقراء دون الاغنیاء، فتماری الاغنیاء فی ذلك، وعادوا للفقراء، فمسخوا قردة وخنازیر۔[24]

(۴)آخر میں ایک قابل غور بات یہ رہ جاتی ہے کہ ٹھیک ہے مائدہ نازل ہونے کے بعد ان کی شکلیں مسخ ہو گئی تھیں، مگر یہ سوال ضرور ہوتا ہے کہ آخر ان مسخ ہونے والوں کی تعداد کیا تھی؟ سو علامہ صاوی نے تفسیر جلالین کے حاشیہ میں مسخ ہونے والوں کی تعداد "330" بتائی ہے، وہ لکھتے ہیں:

فمسخ الله منهم ثلاث ماءة وثلاثین رجلا بأتوا لیلتهم مع نسائهم ثم اصبحوا خنازیر، فلما ابصرت الخنازیر عیسی بکت، وجعل یدعوهم بأسمائهم فیشیرون برؤسهم ولا یقدرون علی الکلام......[25]

جبکہ تفسیر جلالین کی متن میں ایک اور جگہ لکھا ہے کہ ان مسخ ہونے والوں کی تعداد "500" تھی، ذیل میں تفسیر جلالین کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد "بأن دعا عیلهم فمسخوا قردة، وهم اصحاب ایلة" وعیسی ابن مریم "بأن دعا علیهم فمسخوا خنازیر، وکان خمسة آلاف رجل، وهم اصحاب المائدہ"..[26]

اس لئے کہنا پڑے گا کہ مذکور شہادتِ قرآنیہ، عبارات سابقہ اور روایات متضادہ، خود ہی اس بات کا اشارہ دیتی ہیں کہ تفسیر جلالین میں مذکور روایت کا تعلق اس صادق ومصدوق ذات گرامی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے نہیں ہے۔"**واللہ اعلم**"

مولانا محمد نظام الدین اسیر ادرویؒ کی رائے:

ان روایتوں کے بارے میں مولانا اسیر ادروی کا ایک بہترین جامع تجزیہ ملاحظہ فرمائیں، وہ لکھتے ہیں کہ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ ان روایتوں کی تفصیلات جانے بغیر آیت قرآنی کا مفہوم واضح ہوتا ہے یا نہیں؟ اور قرآن کا مقصد ظاہر ہوتا ہے یا نہیں؟ اس کا صاف جواب یہی ہے کہ آیات قرآنی کا مفہوم او رمقصد ان تفصیلات سے قطعاً بے نیاز ہے، قرآن کا مقصد ان تفصیلات کا بیان کرنا ہی نہیں ہے، وہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ذریعہ مشرکین کو جو بتانا چاہتا ہے وہ بس اتنا ہی ہے جتنا الفاظ قرآنی کہتے ہیں، قرآن پاک کی ان آیتوں کی صحیح تفسیر صرف یہی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے مخلصین نے ان سے نزول مائدہ کی درخواست کی تھی، یہ مطالبہ کسی ایمانی کمزوری کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ حضرت ابراہیمؑ کی طرح طمانیتِ قلب کے لئے تھا۔ بہر حال! انزالِ مائدہ کا اللہ نے وعدہ کر لیا اور مائدہ نازل بھی کر دیا مگر اس کے بعد کیا ہوا؟ قرآن اس کے بارے میں خاموش ہے، کسی لفظ سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے نزول مائدہ کے بعد کفر کیا اور ان کی صورتیں مسخ کر دی گئیں اور نہ یہ بات کہی گئی کہ وعید کے بعد وہ اپنے مطالبہ سے باز آگئے تھے۔ حاصل یہ کہ نزول مائدہ میں مذکور چھوٹے چھوٹے اور جزئی تفصیلات وواقعات "جو اس تسلسل اور ترتیب کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں جیسے کوئی چشم دید واقعہ بیان کیا جارہا ہے" جب قرآن کریم میں موجود نہیں اور نہ ہی احادیث صحیحہ میں کہیں ان کا پتہ چلتا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ تفصیلات کہاں سے معلوم ہو گئیں؟ اور ان تفصیلی روایات کا سرچشمہ کہاں ہے؟[27]

حضرات علماء اور محققین کا تو ابھی اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ نزول مائدہ ہوا بھی ہے یا نہیں؟ حضرت حسن بصریؒ اور قتادہؒ تو سرے سے نزول مائدہ کا انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے اتنی سخت وعید کے ساتھ نزول مائدہ کو مشروط کر دیا گیا تھا کہ ان لوگوں نے عذاب خداوندی میں گرفتار ہو جانے کے خوف سے یہ سوال ہی ختم کر دیا اور کہہ دیا کہ ہم مائدہ کے طلب گار نہیں، لیکن جمہور علماء کی یہی رائے ہے کہ مائدہ نازل ہوا تھا اور قرآنِ کریم کے اندازِ بیان سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے۔[28]

قصہ قوم عاد میں اسرائیلیات

قوم عاد کے واقعے کے سلسلے میں تفسیر جلالین میں علامہ سیوطیؒ نے "سوائے ایک مقام کے" کسی مقام پر کوئی اسرائیلی روایت ذکر نہیں کی ہے، اور وہ مقام یہ ہے کہ قوم عاد کی جسموں کی لمبائی کیا تھی؟ سو اس حوالے سے علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ قوم عام کی جسموں کی لمبائی ساٹھ تا سو ہاتھ تھی، ذیل میں تفسیر جلالین کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

واذکروا اذجعلکم خلفاء "فی الارض" من بعد قوم نوح وزادکم فی الخلق بصطة "قوة وطولا، وکان طویلهم ماءة ذراء وقصیرهم ستین" فاذکروا آلاء الله لعلکم تفلحون۔[29]

تفسیر جلالین کی عبارت پر تنقید وتبصرہ

علامہ سیوطیؒ کی بات کس حد تک صحیح ہے؟ اس حوالے سے صرف اتنا سمجھ لیں کہ شریعت مطہرہ کا مزاج ہمیشہ سے یہ ہے کہ وہ بس صرف کسی چیز کی حقیقت اور اس کی روح کو بتاتی ہے، اس چیز کی جزوی تفصیلات پر بات کرنا یہ قرآن کریم کا اسلوب نہیں ہے۔ قرآن کریم تو ایک جامع کتاب ہے جو صرف کلیات کو بتاتا ہے۔ لہٰذا وہ چھوٹی موٹی باتیں جن کا قرآن میں ذکر نہیں اور نہ ہی اس سلسلہ میں کوئی حدیث موجود ہے تو اس کے بارے میں سمجھ لینا چاہیے کہ یہ سب سلسلہ اسرائیلیات کی کڑی اور اہل کتاب کی حاشیہ آرائی ہے۔ (یہ اسی طرح کی افسانہ طرازی ہے جیسی عمالقہ یعنی قوماً جبارینکے قدو قامت کے ذکر میں کی گئی ہے "ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے") وہ یقینی طور پر انتہائی طاقتور اور بڑے قد آور لوگ تھے لیکن اس سے قطعاً یہ نہ سمجھا جائے کہ ان کے قدو قامت عام انسانی قدو قامت کے مقابلہ میں محیر العقول اور جداگانہ تھے، یہ ساری باتیں اہل کتاب کی روایتوں کے ذریعہ ہماری کتابوں میں آگئی ہیں۔ نیز اس حوالے سے تفسیر جلالین کی روایت کو "بالفرض والمحال" اگر صحیح تسلیم بھی کرلیا جائے تو قابل اعتراض بات یہ ہے کہ قدو قامت کے بارے میں تو متعدد روایات پائے جاتے ہیں (علامہ سیوطیؒ کے قول کے مطابق ان کی لمبائی "60 سے 100 ہاتھ" تھیجبکہ ان کے استاذ علامہ جلال الدین محلیؒ نے تفسیر جلالین جلد ثانی میں بلا اختیار ان کی لمبائی چار سو ہاتھ لکھی ہے[30]) مگر ہر ایک کا دوسرے سے متصادم اور ہر روایت کا دوسرے کی تردید کرنا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ سب اسلام دشمنوں کی وہ من

گھڑت باتیں ہیں جو لاشعوری طور پر ہماری تفسیروں میں داخل ہوگئی ہیں۔ "واللہ اعلم بحقیقۃ الحال"

قصہ الواح تورات میں اسرائیلیات

الواح تورا کے سلسلے میں بھی دسیوں مقامات پر اسرائیلیات پائے جاتے ہیں، لیکن علامہ سیوطیؒ نے تفسیر جلالین میں سوائے ایک روایت کے اور کوئی روایت ذکر نہیں کی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ الواح تورات "یعنی تورات کی تختیوں" کی حقیقت اور تعداد کیا تھی؟ سو اس حوالے سے علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ وہ تختیاں جنت والے بیر کے درخت کی تھیں، یا زبرجد کیا زمرد کی، اور ان کی تعداد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ سات یا دس تختیاں تھیں۔ ذیل میں تفسیر جلالین کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

و کتبنا لہ فی الالواح "ای الواح التوراۃ وکانت من سدرۃ الجنۃ او زبرجد او زمرد، سبعۃ اوعشرۃ" من کل شیئ "یحتاج الیہ فی الدین" موعظۃ وتفصیلاً لکل شیئ۔[31]

تفسیر جلالین کے اس قول پر تنقید و تبصرہ

الواح تورات "تورات کی تختیاں کس چیز کی تھی؟ اور ان کی تعداد کیا تھی؟ اس حوالے سے تفاسیر میں درج ذیل متعدد روایات پائی جاتی ہیں:[32]

(۱) ایک روایت میں ہے کہ وہ تختیاں جنت والے بیر کے درخت کی تھیں۔

(۲) حسنؒ کی روایت ہے کہ تختیاں لکڑی کی تھیں۔

(۳) لیکن کلبیؒ کی روایت ہے کہ وہ سبز زبرجد کی تھیں۔

(۴) سعید ابن جبیرؒ کی رائے ہے کہ وہ سرخ یاقوت کی تھیں۔

(۵) وکیعؒ کی روایت ہے کہ وہ دھاری دار چادر کی تھیں۔

(۶) ابن جریج کی روایت ہے کہ وہ زمرد کی تھیں اللہ نے جبرائیل کے ذریعے منگوائی تھیں۔

(۷) صاحب جلالینؒ نے لکھا ہے کہ یا تو جنت والے بیر کے درخت کی تھیں یا زبرجد کیا زمرد کی۔

(۸) وہب ابن منبہؒ کی روایت ہے کہ اللہ نے سخت چٹانوں کو تراش کر ان تختیوں کو بنانے کا حکم دیا تھا، اللہ نے ان چٹانوں کو نرم کر دیا تھا، انہیں چٹانوں کو تراش کر تختیاں بنائی گئیں۔

غرض یہ کہ تفسیر ثعلبی، تفسیر بغوی، تفسیر زمخشری، تفسیر قرطبی اور روح المعانی وغیرہ میں متعدد

اور ایک دوسرے سے متصادم روایتیں پائی جاتی ہیں جن میں سے ہر روایت دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور ان روایتوں میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال کے ساتھ اہل کتاب مسلمانوں کیبھی روایتیں موجود ہیں "جیسے کعب احبار اور وہب ابن منبہؒ وغیرہ"۔

علامہ آلوسیؒ کی رائے:

علامہ آلوسیؒ نے ان تمام روایتوں کو ذکر کرنے کے بعد اپنی رائے ان لفظوں میں تحریر کی ہے کہ "لایخفی ان امثال ھذا یحتاج الی النقل الصحیح والا فالسکوت اولی اذ لیس فی الایة مایدل علیه"۔[33]

علامہ شوکانی کی رائے:

علامہ شوکانیؒ کا خیال ہے کہ اسلاف عموماً ان تختیوں کے بارے میں یہودی علماء سے پوچھا کرتے تھے، جس کی وجہ اس قسم کے بہت سارے اقوال ہمیں سننے کو ملتے ہیں۔ علامہ لکھتے ہیں:
"والذی یغلب به الظن ان کثیرا من السلف کانوا یسئلون الیھود عن ھذہ الامور فلھذا اختلفت واضطربت، فھذا یقول من خشب وھذا یقول من یاقوت وھذا یقول من زمرد وھذا یقول من زبرجد وھذا یقول من برد وھذا یقول من حجر"۔[34]

قصہ آدم میں اسرائیلیات

حضرت آدمؑ کے قصے میں مختلف مقامات پر متعدد اسرائیلی روایات موجود ہیں، لیکن علامہ سیوطیؒ نے اپنی تفسیر "تفسیر جلالین" میں ان میں سے کوئی اسرائیلی روایت کسی مقام پر ذکر نہیں کی ہے۔ ہاں البتہ ایک جگہ اس قسم کی ایک قابل گرفت اسرائیلی روایت "جو حضرت آدم وحوا کی طرف نسبتِ شرک سے متعلق" ضرور موجود ہے، جو کہ درج ذیل ہے:

وروی سمرة عن النبی ﷺ قال: "لما حملت حواء طاف بها ابلیس وکان لا یعیش لهاولد فقال: سمیه عبدالحارث فانه یعیش، فسمته فعاش، فکان ذلك من وحی الشیطان وامرہ" رواہ الحاکم وقال صحیح، والترمذی وقال حسن غریب۔[35]

تفسیر جلالین کی اس روایت کا تحقیقی جائزہ

حافظ ابن کثیرؒ کا اس روایت پر تنقید و تبصرہ:

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں بہت سے آثار اور حدیثیں بیان کی جاتی ہیں اور ان میں سے ایک مرفوع روایت حدیث سمرہ بن جندب بھی ہے جسے امام احمد، ابن جریر، ابوحاتم، امام ترمذی اور حاکم وغیرہ متعدد حضرات نے نقل کی ہے۔(تاہم امام ترمذیؒ نے آیت مبارکہ کی تفسیر میں یہ روایت لکھی ضرور ہے لیکن آخر میں اس روایت پر ان الفاظ کے ساتھ تبصرہ بھی کیا ہے اور وہ الفاظ یہ ہیں: ''هذا حديث حسن غريب لا نعرفه الا من حديث عمر ابن ابراهيم عن قتادة. ورواه بعضهم عن عبدالصمد ولم يرفعه''اور جہاں تک مستدرک حاکم کی بات ہے تو حاکم نے مستدرک میں یہ روایت نقل کرکے اگرچہ ''هذا حديث صحيح الاسناد'' کہا ہے لیکن امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیحین میں اس روایت کو نہیں لیا ہے) لیکن یہ روایت تین وجوہ سے معلول ہے:[36]

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ حدیث سمرہ میں موجود راوی ''عمر ابن ابراہیم'' یہ وہی بصری ہے جس کو یحییٰ ابن معین نے ضرور ثقہ کہا ہے لیکن ابوحاتم نے اس کے بارے میں ''لا يحتج به'' لکھا ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ روایت جس طرح مرفوعاً نقل کی گئی ہے اسی طرح موقوفاً بھی نقل کی گئی ہے ''یعنی ایک روایت میں یہ حضور ﷺ کا قول نہیں بلکہ خود سمرہ بن جندب کا قول کہا ہے'' جیسا کہ معتمر کی روایت میں ہے:

''حدثنا المعتمر عن ابيه قال: حدثنا بكر ابن عبدالله عن سلمان التيمي عن ابي العلاء ابن الشخير عن سمرة ابن جندب قال: سمى ادم ابنه عبدالحارث-''

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث مرفوع میں سمرہ بن جندبؓ سے روایت کرنے والے خود حسن ہیں اور حسنؒ نے آیت کی تفسیر اپنے طور پر بھی کی ہے، اب اگر حسن کو سمرہ والی حدیث کا علم ہوتا تو وہ اس کو کیسے نظر انداز کرسکتے تھے؟ اگر ان کو علم ہوتا کہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حدیث مرفوع موجود ہے تو وہ کبھی ایسا نہ کرتے کہ حضور ﷺ کی بیان کردہ تفسیر کے ہوتے ہوئے اپنے طور پر اس کی تفسیر بیان کریں۔ نیز آیت کی تفسیر میں ''حضرت حسنؒ سے'' متعدد روایات منقول ہیں، ذیل میں آپ

انہیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں:

ابن جریرؒ کی روایت میں آتا ہے کہ حدثنا ابن الوکیع، حدثنا سهیل ابن یوسف عن عمرو عن الحسن (جعلا له شرکاء فیما اتاهما) قال: کان هذا فی بعض اهل الملل ولم یکن بآدم۔

ایک دوسری روایت حضرت حسن سے اس طرح منقول ہے کہ حدثنا محمد ابن عبدالاعلی، حدثنا محمد ابن ثور عن معمر قال قال الحسن: عنی بها ذریة آدم ومن اشرك منهم بعده۔ یعنی (جعلا له شرکاء فیما اتاهما) میں شرک کی نسبت آدمؑ کی طرف نہیں ذریت آدمؑ کی طرف ہے۔

ایک تیسری روایت بھی حضرت حسن سے اس طرح منقول ہے کہ حدثنا بشر، حدثنا یزید، حدثنا سعید عن قتادة قال کان الحسن یقول: هم الیهود والنصاری، رزقهم الله اولادا فهوّدوا ونصّروا۔

حاصل یہ کہ "حضرت حسنؒ" سے یہ جتنی روایتیں ذکر کی گئی ہیں ہر ایک کی سند صحیح ہے، ان صحیح الاسناد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حسن نے آیت کی تفسیر بطور خود کی ہے، نہ کہ حدیث مرفوع کے ذریعہ، اگر حدیث مرفوع ان کے نزدیک محفوظ ہوتی تو اس سے ہٹنے اور اس کو چھوڑنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ نیز اس تفصیل سے یہ بات قطعی طور ثابت ہو جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں حسن سے جو مرفوع روایت بیان کی جاتی ہے اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں ہے بلکہ یہ موقوف روایت ہے، اور جب اس کا موقوف ہونا متعین ہو گیا تو یہ بھی احتمال پیدا ہو گیا کہ صحابی نے کسی ایسے اہل کتاب سے اس کو لیا ہو جو مسلمان ہو گیا ہو، جیسے کعب احبار وغیرہ۔

اور اہل کتاب کی خبروں سے متعلق علماءِ اسلام کا ایک فیصلہ ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے اہل کتاب کی روایتوں کو تین درجوں میں تقسیم کیا ہے اور تینوں کے الگ الگ حکم بیان کئے ہیں:[37]

(۱) اہل کتاب کے وہ قصے اور روایتیں جن کی تائید کتاب اللہ اور احادیث رسول ﷺ سے ہوتی ہے، ان روایتوں کو صحیح سمجھا جائے گا اور اس کو بطور تائید اور شہادت کے پیش بھی کیا جا سکتا ہے۔

(۲) اہل کتاب کے وہ آثار و روایت ہیں جو قرآن اور حدیث کی تصریحات کے خلاف ہیں

"کتاب وسنت ان کی تکذیب کرتے ہیں" وہ قطعاً مردود اور نا قابل قبول ہیں اور ان کا بیان کرنا بھی جائز نہیں۔

(۳) تیسری قسم میں وہ آثار اور روایتیں ہیں جن کا صدق وکذب معلوم نہیں "نہ ان کا صحیح ہونا معلوم اور نہ ہی ان کا جھوٹا ہونا ثابت ہے" یہ اخبار وآثار مسکوت عنہ ہیں "یعنی ہم نہ اس کی تائید کریں گے اور نہ ہی اسے غلط کہیں گے اور ان کے ذکر کرنے کی بھی اجازت ہے"۔

زیر بحث آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں اہل کتاب کی اس روایت کو ہم قطعی طور پر دوسری قسم میں شمار کریں گے کیونکہ قرآن وسنت اس روایت کی تکذیت کرتے ہیں، انبیاء معصوم ہوتے ہیں ان سے شرک کا صدور ممکن ہی نہیں، اس لئے یہ روایت دوسری قسم میں داخل ہے اور مردود ہے۔

آیت کی تفسیر میں قاضی بیضاویؒ کی رائے:

قاضی بیضاویؒ آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ بعض مفسرین نے آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں ایک روایت نقل کی ہے "کمامر آنفا"، لیکن اس پر انہوں نے درج ذیل الفاظ سے تبصرہ کیا:

"وامثال ذلك لاتليق بالانبياء، ويحتمل ان يكون الخطاب فى خلقكم لآل قصى من قريش، فانهم خلقوا من نفس قصى، وكان له زوج من جنسه عربية قرشيّة، وطلبا من الله الولد فاعطاهما اربعة بنين، فسمياهم عبدمناف عبدشمس عبدقصى عبدالدار، ويكون الضمير فى يشركون لهما ولاعقابهما المقتدين بها"۔[38]

آیت کی تفسیر میں علامہ نسفیؒ کی رائے:

علامہ نسفیؒ نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں تقریباً وہی باتیں کہی ہیں جو قاضی بیضاویؒ نے لکھی ہیں۔ اور انہوں نے (جعلاله شركاء) کی تفسیر میں (جعل اولادهاله شركاء) لکھا ہے "یعنی آدم وحوا نے شرک نہیں کیا بلکہ ان کی اولاد نے شرک کیا" یعنی یہاں مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس جگہ رکھ دیا گیا ہے، اس لئے شرک سے آدم وحوا بری ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت میں خطاب قریش سے ہو "جو قصی کی اولاد ہیں، جو عہد نبوی میں موجود تھے" اس لئے انہیں کے شرک کا ذکر کیا گیا ہے۔[39]

آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر کا نظریہ:

حافظ ابن کثیرؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ اور انہوں نے زیر بحث آیت کی جو تفسیر کی ہے وہ مختصراً یہ ہے:[40]

(**فلمّا اتاھما صالحاً**) یعنی آدم و حوا کی مشرک ذریت میں جب ہم نے اولاد دی تو انہوں نے شرک کیا، مراد اس سے جنس انسانی ہے، جنس ذکر اور جنس انثی ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ کے اس قول: (**فتعالی اللہ عما یشرکون**) میں جمع کا صیغہ لایا گیا ہے، اگر آدم و حوا ہی مراد ہوتے تو تثنیہ کا صیغہ آتا لیکن جمع کا صیغہ لا کر بتادیا گیا کہ ان کی مشرک ذریت کا واقعہ بیان کیا جارہا ہے، آیت لفظاً اگرچہ موصول ہے لیکن حقیقتاً مفصول ہے (**خلقکم من نفس واحدۃ**) یعنی نفس ذکر (**وجعل منھا**) یعنی اس کی جنس سے (**زوجھا**) اور جنس انثی ہے اور جب دونوں کو اولاد دی گئی تو میاں بیوی دونوں نے شرک کا ارتکاب کیا اور اللہ کا شکر ادا کرنے کے بجائے کفر کیا، اس طرح آدم و حوا کے لئے اس حکم کا اطلاق نہیں ہو گا، جو آیت کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔

مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ کی رائے گرامی:

مولانا اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: (**جعلالہ شرکاء**) جعلا کی ضمیر تثنیہ کس طرف راجع ہے؟

بعض اس طرف گئے ہیں کہ آدم اور حوا کی طرف لوٹتی ہے اور وہی دونوں مراد ہیں لیکن قول محقق یہ ہے کہ بنی آدم میں ہر نفس اور زوجِ نفس مراد ہیں، بعض تابعین سے بھی یہی منقول ہے: "**قال الحسن والقتادۃ: الضمیر فی "جعلالہ" عائد الی النفس وزوجہ من ولد آدم، ولا الی آدم**" نیز امام رازیؒ نے قفال کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ قصہ بطور تمثیل کے مشرکین کی عام حالت کو بیان کر رہا اور انہوں نے اس تفسیر کو بہت پسند کیا ہے اور لکھا ہے کہ: "**ھذا جواب فی غایۃ الصحۃ والسداد**" اور محققین نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیت میں ضمیر آدم و حوا کی طرف راجع کرنے کی کوئی تائید نہ قرآن سے ملتی ہے اور نہ حدیث صحیح سے اور نہ ایسے قصے پیغمبروں کے لائق ہیں: "**لم تثبت فی قرآن ولا حدیث صحیح فاطرحت ذکرھا**"۔[41]

مفتی محمد شفیعؒ صاحبؒ کی رائے گرامی:

مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر کرتے ہیں کہ شرک کرنے والوں کا تعلق آدم وحوا سے مطلق نہیں "جس کی وجہ سے حضرت آدم کی عصمت پر کوئی شبہ ہو" بلکہ اس کا تعلق بعد میں آنے والی نسلوں کے عمل سے ہے۔ مزید وہ لکھتے ہیں کہ ترمذیؒ اور حاکمؒ کی روایتوں میں جو ایک قصہ آدم وحواؑ اور شیطان کے فریب دینے کا مذکور ہے اس کو بعض علمانے اسرائیلی روایات قرارے کرنا قابل اعتبار بتایا ہے۔[42]

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم۔

وصل اللهم وسلم وبارك على نبينا محمد وعلى اله وصحبه اجمعين۔

حوالہ جات

[1]اسیر ادروی، محمد نظام الدین،۲۰۰۵، تفسیروں میں اسرائیلی روایات، مکتبہ عثمانیہ، راولپنڈی،:۳۳

[2]سیوطی، عبدالرحمن ابن ابی بکر،۲۰۱۰،تفسیر الجلالین ،مکتبہ البشری، کراچی،۱ :۶۲

[3]بیضاوی، عبداللہ ابن عمر،(س ن) انوار التنزیل و اسرار التا ویل،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ،۱ :۹۶

[4]آلوسی، محمود الحسینی،۱۳۹۹، روح المعانی فی تفسیر القران العظیم و السبع المثانی،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ،۱ :۴۶۳

[5]ابن کثیر، اسماعیل ابن عمر،۱۴۲۱،تفسیر القران العظیم،الفاروق الحدیثیۃ،القاہرہ،۱ :۵۳۲

[6]آلوسی، محمود الحسینی،۱۳۹۹، روح المعانی فی تفسیر القران العظیم و السبع المثانی،۱ :۴۶۵

[7]عثمانی، مفتی محمد شفیع،۲۰۰۸، معارف القران، مکتبہ ادارۃ المعارف، کراچی،۱ :۲۷۱

[8]دریا آبادی، عبدالماجد، مولانا،(س ن) تفسیر ماجدی، پاک کمپنی،لاہور،:۵۲

[9]سیوطی، عبدالرحمن ابن ابی بکر،۲۰۱۰،تفسیر الجلالین ،۱ :۱۵۵

[10]مختار الدین، مفتی،۲۰۱۸،البرہان فی توضیح آیات الرحمن،دارالایمان، پشاور،۳ :۹۱

[11]عثمانی، مفتی محمد شفیع،۲۰۰۸، معارف القران،۱ :۵۹۴

[12]سیوطی، عبدالرحمن ابن ابی بکر،۲۰۱۰،تفسیر الجلالین،۱ :۱۵۸

[13]سیوطی، عبدالرحمن ابن ابی بکر،۲۰۱۰،حاشیہ تفسیر الجلالین ،۱ :۱۵۹

[14]بیضاوی، عبداللہ ابن عمر،(س ن) انوار التنزیل و اسرار التا ویل،۱ :۱۶۱

[15]آلوسی، محمود الحسینی،۱۳۹۹، روح المعانی فی تفسیر القران العظیم و السبع المثانی،۱ :۷۶۴

[16]نسفی، ابوالبرکات، عبداللہ ابن احمد ابن محمود،(س ن) مدارک التنزیل و حقائق التاویل،مکتبہ رحمانیہ،لاہور،۱ :۲۰۵

[17]عثمانی، شبیر احمد، شیخ الاسلام،۲۰۰۵، تفسیر عثمانی، پاک کمپنی،لاہور،:۵۱

[18]دریا آبادی، عبدالماجد، مولانا،(س ن) تفسیر ماجدی،:۱۲۸

[19]اسیر ادروی، محمد نظام الدین،۲۰۰۵، تفسیروں میں اسرائیلی روایات،:۱۴۵

[20]ابن خلدون، عبدالرحمن ابن محمد،(س ن)العبر ودیوان المبتدا والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر ومن عاصر ہم من ذوی السلطان الاکبر ،دارالکتب العلمیۃ، لبنان،۱ :۹

[21]سیوطی، عبدالرحمن ابن ابی بکر،۲۰۱۰،تفسیر الجلالین ،۱ :۴۵۵

[22]سیوطی، عبدالرحمن ابن ابی بکر،(س ن)تفسیر الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، مکتبہ اشرفیہ، کوئٹہ،۱ :۱۲۴

[23]سیوطی، عبدالرحمن ابن ابی بکر،۲۰۱۰،تفسیر الجلالین۱ :۴۳۲

[24]صاوی، احمد ابن محمد،۲۰۱۰،تفسیر الصاوی علی تفسیر الجلالین،مکتبہ البشری، کراچی،۱ :۲۵۵

[25]ایضا،۱ :۴۵۶

[26]سیوطی، عبدالرحمن ابن ابی بکر،۲۰۱۰،تفسیر الجلالین،۱ :۴۳۲

[27]اسیر ادروی، محمد نظام الدین،۲۰۰۵، تفسیروں میں اسرائیلی روایات،:۱۶۴

[28]ابن کثیر، اسماعیل ابن عمر،(س ن)تفسیر القران العظیم،قدیمی کتب خانہ، کراچی ۲ :۶۵۰

[29]سیوطی، عبدالرحمن ابن ابی بکر،۲۰۱۰،تفسیر الجلالین،۱ :۵۵۴

[30]محلی، محمد ابن احمد،۲۰۱۰،تفسیر الجلالین ،مکتبہ البشری، کراچی،۳ :۲۸۱

[31]سیوطی، عبدالرحمن ابن ابی بکر،۲۰۱۰،تفسیر الجلالین،۱ :۵۷۱

[32]اسیر ادروی، محمد نظام الدین،۲۰۰۵، تفسیروں میں اسرائیلی روایات،:۱۷۵

[33]آلوسی، محمود الحسینی،۱۳۹۹، روح المعانی فی تفسیر القران العظیم و السبع المثانی،۹ :۷۸

[34]شوکانی، بدرالدین، محمد ابن علی ابن محمد،(س ن)فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ والدرایۃمن التفسیر ،دارالمعرفۃ،بیروت ۲ :۲۴۶

[35]سیوطی، عبدالرحمن ابن ابی بکر،۲۰۱۰،تفسیر الجلالین،۱ :۶۰۰

[36]ابن کثیر، اسماعیل ابن عمر،(س ن)تفسیر القران العظیم،۳ :۲۵۰

[37]نعناعہ، رمزی، الدکتور،۱۳۹۰،الاسرائیلیات واثرہافی کتب التفسیر ،دارالقلم، دمشق،:۷۴

[38]بیضاوی، عبداللہ ابن عمر،(س ن) انوارالتنزیل و اسرارالتاویل ،المکتبہ التوقیفیہ، القاہرہ،:۴۷۲

[39]نسفی، ابوالبرکات، عبداللہ ابن احمد ابن محمود، (س ن)مدارک التنزیل و حقائق التاویل،۱ :۶۲۴

[40]ابن کثیر، اسماعیل ابن عمر،(س ن)تفسیر القران العظیم،۳ :۲۵۳

[41]دریاآبادی، عبدالماجد، مولانا،(س ن) تفسیر ماجدی،:۴۰۷

[42]عثمانی، محمد شفیع، مفتی،۲۰۰۸، معارف القران،۴ :۱۴۹